اسلامی اور مغربی افکار وعقائد کی روشنی میں آزادی

آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ الشریف

پچھلے شمارے سے آگے

اسلام میں آزادیٔ فکر وعقیدہ اور اس کے تین نکاتی مراکز:

آزادی کی قسمیں اور اس کی فراہمی میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں:

اسلامی نقطۂ نظر سے آزادی اور آزادی کی بنیادوں کی مکمل وضاحت کے بعد آزادی سے وابستہ دیگر عناوین کے سلسلے میں بحث وتجزیہ لازمی معلوم ہوتا ہے جو آزادی کے بنیادی عناصر کا درجہ رکھتے ہیں اور جن کی صرف اسلامی علوم ومعارف میں ہی نہیں بلکہ دنیاوی علوم ومعارف میں بھی بڑی اہمیت ہے۔

فکر وعقیدہ کی آزادی:

صرف مذہب اسلام میں ہی نہیں بلکہ موجودہ عالمی تہذیب وتمدن میں بھی اس بحث کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے جس کا مختصر ڈھانچہ حاضر خدمت ہے۔

فکر وعقیدہ اور مذہب کی آزادی آج ایک تسلیم شدہ عالمی نعرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی آج دنیا میں صورت حال ایسی ہے کہ وہ حکومتیں اور وہ ممالک جن کی نگاہوں میں آزادی کی کوئی قیمت نہیں ہے اور مختلف مواقع پر آزادی فکر کو اعلانیہ پامال کر چکے ہیں، آج آزادی کے علمبردار بنے ہوئے ہیں اور فکر وعقیدہ ومذہب کے شعبہ میں آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں اور کبھی کبھی ایسے نمائشی مظاہروں کا اہتمام بھی کرتے ہیں جن کے ذریعہ یہ ثابت کر سکیں کہ ان ملکوں میں مذہبی اور فکری آزادی کا بول بالا ہے۔ مثلاً مذہب اسلام اور اسلامی عقیدہ کو حساسیت کی نگاہ سے دیکھنے والے ملکوں میں کچھ بناوٹی اور ظاہر سازی پر مبنی کام انجام دیئے جاتے ہیں تا کہ دنیا والوں پر یہ ثابت کیا جا سکے کہ اس ملک میں فکر وعقیدہ کی آزادی موجود ہے۔

اس موقع پر میں اسلام میں آزادی کے تین محوروں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا محور:

اسلام میں غور وفکر کو واجب ولازم قرار دیا گیا ہے۔ بنیادی اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام میں نہ صرف یہ کہ غور وفکر کرنے کی آزادی ہے بلکہ یہ امر واجب ولازم بھی ہے۔ جملہ آسمانی کتب اور مذہبی تالیفات کے درمیان شاید ہی ایسی کوئی کتاب پائی جاتی ہو جس میں قرآن مجید کی طرح بنی نوع انسان کو مظاہر زندگی، انسان کے مادی ومعنوی امور اور تاریخ کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہو بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اصول دین کے بارے میں غور وفکر کرنا واجب ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ توحید ونبوت اور دیگر اصول دین کے بارے میں ایک استدلال کی تلاش

کرنا ہر مسلمان کے لئے واجب ولازم ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مذہبی امور میں غور وفکر کرتے ہوئے شک وشبہ کا شکار ہوجائے تو اسلامی نقطۂ نظر سے یہ کوئی نامناسب بات نہیں ہے لیکن اس کو شک وتردّد میں پڑا نہ رہنا چاہئے بلکہ مطالعہ وغور وفکر اور تجزیہ وجستجو کے ذریعہ مکمل ومستحکم یقین واعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن اگر کسی شخص کے ذہن میں کسی اصول دین کے سلسلے میں شک پیدا ہوجائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ مذہب اسلام میں اس کو دین کی سرحد اور ممنوع نہیں قرار دیا گیا بلکہ یہ ایک اختیاری امر ہے جس کو منع بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ روایات میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ رسول مقبولؐ اور ائمہ معصومین ؑ کی خدمت میں آتے ہیں اور گلہ کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ذہن میں بعض اصول دین کے سلسلے میں شک پیدا ہوگیا ہے مثلاً خداوندعالم کی وحدانیت یا وجود خداوندی کے سلسلے میں شک پیدا ہوجانے کی وجہ سے ہم لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ اس ذہنی وسوسہ اور شک کی وجہ سے دین سے خارج ہوگئے ہیں۔ ان لوگوں کو جواب دیا جاتا ہے کہ نہیں، یہ دین سے خارج ہونے کا سبب نہیں ہے بلکہ ایسے افراد کی رہنمائی کی جانی چاہئے اور ان لوگوں کو مطالعہ وتحقیق میں سرگرم رہنا چاہئے۔

کوئی شخص پیغمبر اکرمؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ھَلَکْتُ۔'' یعنی میں ہلاک ہوگیا۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہ شخص اپنے اسلامی مطالعات کے دوران ذہنی الجھاؤ میں مبتلا ہوگیا ہے۔ لہٰذا آپ نے اس کے ذہنی الجھاؤ اور وسوسہ کو علمی دلائل کے ذریعہ دور کرتے ہوئے فرمایا: ''ھٰذا مَحْضُ الْاِیْمَان۔'' عین وخالص ایمان یہی ہے کہ تم دینی مسائل کے بارے میں غور وفکر کرو، اگر ان مسائل کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو تو اس شک کو دور کرنے کے لئے صاحبان علم سے رابطہ قائم کرو۔ پس یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مذہبی امور ومسائل کے بارے میں، چاہے وہ مستحکم اور ثابت شدہ اصول دین کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو، غور وفکر کرنا ممنوع نہیں بلکہ لازمی اور ضروری ہے اور غور وفکر کے دوران اگر کسی اصول دین کے بارے میں شک وشبہ پیدا ہوجائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حدیث رفع کی طرف اشارہ:

مشہور ومعروف حدیث ''رفع'' میں ارشاد نبوی ہوتا ہے کہ میری امت سے نو چیزوں کے بارے میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور ان میں سے ایک چیز ''اَلْوَسْوَسَۃُ فِی التَّفَکُّرِ فِی الْخَلْقِ۔'' یعنی دنیا اور اس کی تخلیق کے سلسلے میں انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے وسوسہ کو مذموم، ممنوع اور مواخذہ کا سبب قرار نہیں دیا گیا ہے۔

دوسرا محور:

مذہبی عقیدہ کا حامل ہونا۔ اسلام میں کسی ایسے عقیدہ کا حامل ہونا ممنوع نہیں ہے جو اسلامی عقیدہ سے ٹکراؤ نہ رکھتا ہو۔ زیادہ واضح لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلامی معاشرہ میں غیر اسلامی عقیدہ کا حامل ہے اور وہ اسلام کی مخالفت اور اسلامی نظام سے عداوت ودشمنی نہیں رکھتا ہے تو اسلامی معاشرہ میں ایسے شخص کی موجودگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پس اسلامی معاشرہ میں یہودی، عیسائی، زرتشتی

اور دیگر مذاہب کے لوگ، مسلمان نہ ہوتے ہوئے بھی شاندار زندگی بسر کررہے ہیں اور آئین کی دفعہ ۲۳ کے بموجب جملہ حقوق کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کررہے ہیں اور اپنے دینی عقیدہ کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہیں کیونکہ مذہب اسلام میں دوسرے عقیدہ کا حامل ہونا ممنوع نہیں ہے۔

آیہ مبارکہ ''لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔''کی تفسیر میں لکھا ہے یثرب میں پیغمبرؐ کی آمد سے قبل اس شہر کے کچھ نوجوان شہر کے اطراف میں آباد یہودیوں کے ساتھ جو کفار ومشرکین سے زیادہ مہذب تھے، گھل مل گئے تھے، ابھی اس شہر کے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسے مدینہ نہیں بلکہ یثرب کہا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض نوجوان اپنی جوانی کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ان یہودیوں کی طرف مائل ہوگئے تھے، ان میں سے کچھ نے یہودیت قبول کرلی تھی اور کچھ یہودی نہیں ہوئے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ کی اس شہر میں آمد کے بعد یثرب مدینۃ رسولؐ میں تبدیل ہوگیا اور یہاں کے لوگ مسلمان ہوگئے۔ پیغمبرؐ نے چند برسوں تک مدینہ اور اس کے اطراف میں مقیم یہودیوں کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیا لیکن جب قبیلہ بنی النضیر نے اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کے خلاف سازش کی تو خداوند عالم نے حکم دیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں کو مدینہ کے اطراف سے دور ہٹا دیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے سورہ حشر میں موجود حکم خداوندی کے بموجب ان یہودیوں کو مدینہ کے اطراف سے باہر نکال دیا اور قبیلہ بنی النضیر کے لوگ اس علاقے سے چلے گئے۔ بعض ایسے نوجوان، جن کے گھر والے تو مسلمان ہوگئے تھے لیکن وہ خود ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، یہ کہنے لگے کہ وہ بھی یہودیوں کے ہمراہ اس علاقے سے باہر چلے جائیں لیکن ان کے گھر والے اس بات پر راضی نہیں تھے اور ان نوجوانوں پر یہ دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ لوگ اسلام قبول کرلیں۔ اس موقع پر یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی: ''لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔'' مذہبی اعتقاد وایمان میں جبر واکراہ کی گنجائش نہیں ہے۔ چونکہ آج لوگوں پر حقیقت پوشیدہ نہیں رہ گئی بلکہ راہ اسلام اور راہ ہدایت پوری طرح واضح اور نمایاں ہوچکی ہے لہٰذا آپ لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں رہ گیا کہ آپ ان نوجوانوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیجئے۔ یہ لوگ اسلام قبول کئے بغیر بھی ہم لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

البتہ اس بات کی وضاحت لازمی معلوم ہوتی ہے کہ آزادیٔ ایمان وعقیدہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام اس بات پر راضی ہے کہ کچھ لوگ عقیدہ حق سے دور اور بیگانہ رہ جائیں بلکہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک کوئی عقیدہ اسلامی نظام کی مخالفت اور اس کے خلاف صف آرائی نہیں کرتا ہے اس سے کوئی مواخذہ اور اس کے خلاف کوئی اقدام نہ ہوگا۔

تیسرا محور سیاسی فکر ونظریہ:

اسلامی معاشرہ میں سیاسی افکار ومیلانات کی آزادی ہے اور کسی شخص کو اس کے مخصوص سیاسی یا علمی نظریہ کی وجہ سے پریشان نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کسی آدمی کو اس کے ذاتی سیاسی عقائد کی وجہ سے دباؤ میں رکھا جائے۔ قرون وسطیٰ میں یوروپ میں جو چیز رائج تھی کہ دانشمند افراد کو ان کی مخصوص علمی تحقیق کی وجہ یا دانشوروں کو

ان کے مخصوص سیاسی نظریہ کی وجہ سے مختلف النوع دباؤ اور مظالم کا شکار بنایا جاتا تھا اور بعض لوگوں کو قتل بھی کر دیا جاتا تھا جب کہ اسلام میں اس طرح کی کوئی بھی ظالمانہ روش موجود نہیں ہے اور مسلمانوں کو اس قسم کی سختی کی اجازت بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بنیادی طور پر مذہب اسلام میں عقیدہ کے بارے میں تفتیش کی اجازت نہیں ہے یعنی کسی شخص پر دباؤ ڈال کر اس سے یہ نہیں معلوم کیا جاسکتا ہے کہ فلاں شخص یا فلاں واقعہ کے سلسلے میں تیرا عقیدہ کیا ہے؟ یا فلاں مذہبی عقیدہ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ یہ ایک غلط اور اعتراض آمیز بات ہے کہ کسی شخص کا عقیدہ معلوم کر کے اس کو نقصان پہنچایا جائے۔ یہ وہی بات ہے جو یورپ میں پوری طرح رائج تھی اور یورپ نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ وہ کسی نئی چیز کا خالق و محقق بن گیا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اسلام میں اس قسم کے مسائل کا کوئی وجود نہیں تھا۔

البتہ مختلف تاریخی ادوار خواہ بنی امیہ کا دور حکومت ہو یا بنی عباس کا یا سلاطین سلجوقیہ کا عہد حکومت رہا ہو یا غزنوی دور حکومت، خود ہمارے ملک ایران میں گونا گوں عقائد کے خلاف جدو جہد و نبرد آزمائی کا بازار گرم رہا ہے لیکن اس سرگرمی کا اسلام سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ واضح رہے کہ سلطان محمود غزنوی کے اسلام کی مثال عصر حاضر کے اکثر مسلم حکمرانوں جیسی ہے جس کو حقیقی اسلام کی بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ مذہب اسلام سیاسی عقائد کے سلسلے میں سخت گیری کی اجازت نہیں دیتا ہے اور اسلام میں عقائد کی تفتیش ممنوع ہے۔

مذہبی عقائد کی آزادی اور اس کا صحیح مفہوم:

دوسرے محور یعنی مذہبی عقائد کی آزادی کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ طولانی بحث کی جائے کیونکہ یہ موجودہ دور کا ایک اہم مسئلہ ہے اور عالمی سطح پر اس موضوع کے بارے میں گفتگو جاری ہے لہٰذا اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا بھرپور اور محققانہ تجزیہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مذہب اسلام میں عقیدہ کی آزادی کو اہم اور بنیادی مسئلہ قرار دیا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں اسلامی مفکرین کے خیالات کو مجموعی شکل وصورت میں نہیں پیش کیا جاسکا ہے البتہ بعض مفکرین اور محققین نے اس موضوع کا تجزیہ کیا ہے مگر میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں اسلامی مفکرین کی بحث کافی نہیں ہے بلکہ اس کا مزید اور دقیق تجزیہ موجودہ زمانہ کی اہم ضرورت ہے بعض مفکرین نے مغربی دنیا میں موجود عقیدہ کی آزادی کے زیر اثر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ہر عقیدہ لائق احترام ہے اور کسی بھی عقیدہ کی مخالفت اور اس میں پائی جانے والی خرابی کے خلاف اعتراض نہ کرنا چاہئے۔ یہ خاص مغربی نظریہ ہے اور بعض اسلامی محققین و مفکرین نے اسلامی نظریہ کو مغربی نظریہ سے جوڑ دیا ہے۔ دوسری طرف بعض دیگر مفکرین نے قرآن مجید کی آیات کریمہ اور دینی روایات کی روشنی میں بہت محدود اور تنگ بنا دیا ہے اور مجموعی اعتبار سے آزاد مذہبی عقیدہ کو اسلامی تعلیمات سے دور اور حقیقی اسلامی عقیدہ کے خلاف مانتے ہیں۔

بہرحال اس سلسلہ میں بعض قرآنی آیات، دینی

روایات اور بزرگان دین کے ارشادات کے مطالعہ کی روشنی میں میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ ابھی اس موضوع پر مزید بحث ومباحثہ، عمیق مطالعہ اور تبادلۂ خیال کی ضرورت ہے البتہ اس موقع پر میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ بحث وگفتگو کا دروازہ بند نہیں ہے اور اسی اصول کی بنیاد پر میں سردست اسلامی اور شرعی مآخذ و مدارک سے استفادہ میں سرگرم ہوں:

اولاً، قلبی عقیدہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو طاقت اور دباؤ کا نشانہ بنایا جاسکے۔ عقیدہ طاقت سے ہرگز متاثر نہیں ہوتا بلکہ عمل کو طاقت اور دباؤ کے ذریعہ متاثر کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی عمل وذاتی روش کو طاقت، دباؤ اور تسلط کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے اور اس کے قلبی عقیدہ کو نہیں۔ پس قرون وسطیٰ میں یورپ میں لوگوں کے مذہبی، سیاسی، سماجی اور علمی عقائد کے سلسلے میں ہزاروں افراد کے قتل اور آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان دوسرے ہزاروں لوگوں کی خوفناک نابودی جیسی سخت گیریوں کے باوجود ان مذہبی عقائد کو نہ معدوم کیا جاسکا اور نہ منسوخ بلکہ تاریخ میں موجود دباؤ کا شکار ہونے والے دیگر عقیدوں کی طرح وہ عقائد باقی رہ گئے۔ پس معلوم ہوا کہ عقیدہ پر طاقت اور دباؤ کا اثر ہونے والا نہیں ہے بلکہ اس کو مخصوص وسائل کے ذریعہ ہی تبدیل کیا جاسکتا ہے یا کسی کے دل میں اس کی تخلیق وایجاد کی جاسکتی ہے۔ ایک جملے میں ہم اپنی بات یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں عقیدہ آزاد ہے لیکن اس آزادیٔ عقیدہ کی توضیح وتفسیر کی جانی چاہئے۔ آزادیٔ عقیدہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے یا اس بات کو جائز تسلیم کرتا ہے کہ انسان حق اور درست سوجھ بوجھ پر مشتمل اپنے عقیدہ سے منحرف ہوجائیں اور اس کی جگہ پر ایک باطل، نامناسب اور غلط اعتقاد کو اپنے دل میں بسالیں۔ اگر کوئی شخص یہ بات کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ درست موقف کا حامل نہیں ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ دیگر اعضاء وجوراح کی طرح انسانی قلب فکر پر بھی کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جن کے بارے میں روایات میں باقاعدہ اشارہ کیا گیا ہے اور وہ فریضہ وذمہ داری یہ ہے کہ وحدانیت اور دیگر اعلیٰ صفات کے ساتھ وہ خداوند عالم کی معرفت رکھتا ہو اور نبوت وقیامت اور دیگر اسلامی معارف کے سلسلے میں وہ درست اور حق عقیدہ کو قبول کرتا ہو اور اس سلسلے میں طاقت اور دباؤ وغیرہ سے ہرگز متاثر نہ ہو۔ پس اسلام میں عقیدہ کی آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں موجود مختلف مذہبی عقائد میں سے کسی من پسند مذہبی عقیدہ کا انتخاب کرلیا جائے بلکہ اسلامی علوم ومعارف اور اصول احکام میں حق وصداقت پر مبنی اعتقاد کا آزادانہ انتخاب ہی عقیدہ کی آزادی ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود اگر کسی شخص نے اپنے اسلامی اور قلبی عقیدہ کو انجام نہیں دیا اور غلط وباطل عقیدہ کو اپنے مذہبی اعتقاد کی حیثیت سے انتخاب کرلیا تو اس کو ناپسند اور نامناسب سمجھتے ہوئے بھی اسلام اس باطل وغلط اعتقاد کے حامل شخص کو نہ صرف حق زندگی سے محروم نہیں قرار دیتا ہے بلکہ متعلقہ سماج کے قوانین کی پیروی کرتے ہوئے اس کے سماجی حقوق کو بھی محترم تسلیم کرتا ہے۔ (جاری)